قانون شکن محافظوں سے کیا سلوک کیا جائے.....؟

تحریر: سہیل احمد لون

جرمنی کو "پولیس کی ریاست " بھی کہا جاتا ہے۔جہاں پر پولیس کے اختیارات کا دائرہ کار برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ایک پولیس آفیسر کی گواہی عام شہری سے دوہری قوت کی حامل ہوتی ہے۔ملک کے اندرونی معاملات کو پولیس اتنی کامیابی سے کنٹرول کرتی ہے کہ ریاست کو law and order کے لیے فوج کی ضرورت نہیں پڑتی۔عوام کے جان و مال کی حفاظت اور خدمت ان کا اولین فرض ہوتا ہے جس کو وہ بڑی دیانتداری سے نبھاتے ہیں۔ہٹلر کے دیس میں آج بھی نظم وضبط کا یہ عالم ہے کہ یورپ کے ممالک اس کی تقلید بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ڈیڑھ دہائی ان کے درمیان رہ کر بہت سے ایسے اچھے واقعات کا تجربہ ہوا جن کو اپنے دیس میں دیکھنے کی حسرت ہی رہی۔وہ ستمبر 1997ء کی اک شام تھی میں کسی کام کی غرض سے گھر سے نکلا۔ابھی اپنے شہر کی حدود سے نکل کر ہائی وے پر گاڑی چلائی ہی تھی کہ میری کار کو پولیس کی گاڑی نے اوورٹیک کر کے مجھے گاڑی سائیڈ پر پارک کرنے کا سگنل دیا۔جیسے ہی میں نے پولیس کی گاڑی کے پیچھے اپنی کار کھڑی کی۔دو پولیس آفیسرز باہر نکلے جن میں حسب معمول ایک مرد اور دوسری خاتون تھی۔یہاں مرد اور عورت کی جوڑی میں ہی ڈیوٹی کے فرائض انجام دینے کا خاص انداز ہے۔اس میں ایک تو بوریت کا پہلو بھی کم ہو جاتا ہے ساتھ ضرورت پڑنے پر عورت کی عورت اور مرد کی مرد جامہ تلاشی بھی لے سکتا ہے۔مجھے بڑی عزت سے سلام کرنے کے بعد انہوں نے لائسنس دکھانے کو کہا۔تب مجھے احساس ہوا کہ میں اپنا پرس ہی گھر بھول آیا ہوں۔میری تاریخ پیدائش اور نام پوچھ کر انہوں نے اپنے موبائل کمپیوٹر پر میرا ریکارڈ چیک کیا۔قانون کے مطابق گاڑی چلاتے وقت ڈرائیونگ لائسنس کا پاس ہونا لازمی تھا۔مگر میرا سابقہ ریکارڈ دیکھ کر انہوں نے صرف وارننگ دی۔پھر انہوں نے مجھے روکنے کی وجہ بتائی کہ میری ڈرائیونگ سائیڈ والی ہیڈ لائٹ کام نہیں کر رہی تھی۔انہوں نے مجھ سے اضافی بلب کا پوچھا مگر میرے پاس نہ تھا۔انہوں نے کہا کہ تمہاری جان کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ تم اپنی پسنجر سیٹ کی طرف والی ہیڈ لائٹ کا بلب نکال کر ڈرائیونگ سیٹ والی ہیڈ لائٹ میں لگا لو۔اس سے میری گاڑی سامنے سے آنے والی ٹریفک کو اس طرح سے نظر آئے گی کہ حادثے کا اندیشہ کم سے کم ہو۔میں نے کہا کہ مجھے تو گاڑی کا بلب تبدیل کرنا نہیں آتا۔وہ دونوں مسکرا پڑے۔مجھے گاڑی کا بونٹ کھولنے کو کہا۔لڑکی نے ٹارچ سنبھالی اور مرد پولیس آفیسر نے بلب ایک طرف سے نکال کر دوسری طرف لگا دیا۔پھر مجھے گاڑی اپنی گاڑی کے پیچھے چلانے کو کہا۔جب ہم ایک پٹرول پمپ پہنچے تو انہوں نے مجھے ایک نیا بلب خریدنے کو کہا۔میں نے کہا کہ میں تو پرس گھر بھول آیا ہوں میرے پاس اس وقت تو پیسے یا بینک کارڈ نہیں۔مرد پولیس آفیسر نے اپنی جیب سے بلب خرید کر دیا۔اس کے بعد مجھے اپنے سامنے اس کو لگانے کو کہا تا کہ اگر مجھے مدد کی ضرورت ہو تو وہ میری مدد کر سکیں۔آخر میں اس نے اپنا نام اور اکاؤنٹ نمبر کی تفصیل مجھے دیکر

5.95مارک اپنے اکاؤنٹ میں بھیجنے کو کہا۔میں نے شکریہ کہا تو اس نے کہا کہ اس میں شکریہ کس بات کا.....؟اس نے اپنی ڈیوٹی کی ہے۔عوام کے جان و مال کی حفاظت اور انسانیت کی خدمت کرنے کی ان کو تنخواہ ملتی ہے۔جہاں تک 5.95مارک کا تعلق ہے وہ تم کل تک ادا کر دینا۔یہ کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر میرے دل میں اپنا حسن سلوک ہمیشہ کے لیے نقش کر گئے۔ساتھ ہی مجھے اپنے ملک میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے یاد آ گئے۔جو عوام سے اپنی "خدمت" کروانا ہی فرض سمجھتے ہیں۔جو یونیفارم پہن کر ایسی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں کہ ایک شریف النفس ان سے ایسے دور بھگتا ہے جیسے خالص برہمن "شودر اور ماس مچھی" سے.....!پولیس کی ٹریننگ کے بعد ان کے پاس تعلیم کی اصل ڈگری ہو نہ ہو مگر "بدتمیزی" میں پی ایچ ڈی ضرور ہوتی ہے۔عوام کے جان و مال کے تحفظ کے لیے پولیس آج تک اپنا لوہا منوانے میں ناکام ہے۔مگر عوام کا فوج اور رینجرز پر ہمیشہ سے بڑا "مان" ہے۔اگر کسی کے گھر میں کوئی "فوجی" ہوتا تو سارا محلّہ اور رشتہ دار اس کا تعارف بڑے فخر سے کرواتے تھے۔مگر بدقسمتی سے ملکی حالات کچھ ایسے ہوتے جا رہے ہیں کہ عوامی تاثر ان کے متعلق بھی تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔حالیہ دنوں میں یکے بعد دیگرے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں قانون نافذ کرنے والے ہی قانون شکنی کر رہے ہیں۔حساس اداروں پر دہشت گردی کے متعدد واقعات نے بھی عوام کے دلوں میں "عدم تحفظ اور بے یقینی" کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔خروٹ آباد اور کراچی کے واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہونا شروع ہو گئی ہے کہ حساس اداروں کو جتنا زیادہ عوام اور پولیس کے ساتھ رکھا جائے گا تو وہ بھی اپنا وقار کھونا شروع کر دیں گے۔خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے.....پولیس تو جعلی مقابلے میں معصوم لوگوں کی جان لینے میں مشہور ہے اب یہ رنگ حساس اداروں کو بھی چڑھتا جا رہا ہے۔پولیس اور حساس اداروں کا کام تو عوام کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے۔اگر یہی محافظ معصوم شہریوں کی جان کا محاسبہ کرنا شروع کر دیں۔اس پر یہ ظلم کہ اپنے سیاہ کارنامے کو جھوٹ کی سفید چادر لپیٹ کر خود کو ہیرو ظاہر کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔کسی بھی مہذب معاشرے کا یہ شیوا نہیں ہوتا۔

07/07 لندن بم دھماکوں کے بعد برطانیہ جہاں پولیس کے اختیارات اتنے محدود تھے کہ وہ کسی شہری کو روک کر شناختی کارڈ دیکھنے کے مجاز نہ تھے۔ان کے اختیارات کو جرمن پولیس کی طرح تقویت دی گئی۔شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ۲۲ جولائی ۲۰۰۵ء کو ایک معصوم برازیلین الیکٹریشن محض اس شبہے کی بنیاد پر کہ اس کے قد و خال 07/07 کے دہشت گردی میں ملوث "عثمان حسین" نامی لڑکے سے ملتے تھے.....سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس آفیسرز کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔جب معاملے کی تحقیق ہوئی تو سی سی ٹی وی فوٹیج اور چشم دید گواہوں نے ثابت کیا کہ پولیس سے زیادتی ہوئی۔انہوں نے اس نوجوان کو اپنا تعارف نہ کروایا، مسلح ہونے کا نہ بتایا، گولی مارنے سے قبل وارننگ نہ دی، اس معاملے کو میڈیا اور عوام کی خاص طور پر ہمدردی حاصل تھی۔جس کا اثر میٹروپولیٹن پولیس کمشنر سر آئن بلیئر نے اچھی طرح محسوس کیا۔انہوں نے مقتول کے ورثاء سے معافی مانگی۔یہ معاملہ عدالت تک گیا جہاں میٹروپولیٹن پولیس کو مجرم قرار دیا گیا۔ادارے کو ایک لاکھ پچھتر ہزار پاؤنڈ جرمانہ، تین لاکھ پچاسی ہزار پاؤنڈ لیگل خرچہ بھی ادارے کے ذمہ قرار دیا گیا۔ jeans charles de Menezes کے ورثاء کو بھاری معاوضہ بھی ادا کیا گیا۔عدالت نے برازیلین نوجوان کو بے قصور قرار دیا۔اس واقعے کو unlawful killing قرار دیا۔حکومتی سطح پر بھی اس واقعے کی بھرپور مذمت کی گئی۔برازیل کی حکومت سے بھی دکھ اور ہمدردی کا اظہار کیا گیا اور ساتھ

معافی بھی مانگی گئی۔میڈیا میں اس کو پولیس کی بربریت اور جھوٹا ڈرامہ کے ناموں سے منسوب کیا گیا۔

اسی طرح 2 اپریل 2009ء کو لندن کی G20 کانفرنس کے خلاف مظاہروں میں ایک خاتون نکولا فشر پولیس آفیسر سارجنٹ ڈلوری ٹونی کے ڈنڈے کی زد میں آ گئی۔عدالت نے ٹونی پر فرد جرم عائد کر کے ہرجانے کی رقم ادا کرنے کا کہا گیا۔اسی مظاہرے میں پولیس کانسٹیبل سائمن ہارڈووڈ نے ایک ۴۷ سالہ شخص ٹامسلسن کو دھکا مار کر زمین پر دے مارا۔بدقسمتی سے ٹامسلسن کچھ منٹوں میں دم توڑ گیا۔یہ سارا واقعہ بھی کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کیا تھا۔میٹروپولیٹن پولیس کے ڈپٹی ہائی کمشنر روز فٹس پیٹرک نے شدید مذمت کی اور دکھ و ندامت کا اظہار کرنے کے علاوہ ساری قوم سے معافی مانگی۔پولیس آفیسر پر بھی فرد جرم عائد کی گئی۔ورثاء کو ہرجانے کی رقم ادا کی گئی۔

ہمارے ہاں ایک تو اپنے فرض سے غفلت برتی جاتی ہے اس کے بعد اپنی بربریت کو چھپانے کے لیے من گھڑت کہانی بنا کر متاثرہ خاندان کے زخموں پر نمک پاشی کی جاتی ہے۔مہذب معاشرے میں اگر کسی فرد سے غلطی سرزد ہو جائے تو اس ادارے کا سربراہ قوم سے معافی مانگنے میں نہ دیر لگاتا ہے اور نہ ہی شرماتا ہے۔عدالت بھی بلا امتیاز انصاف کر کے اپنی خودمختاری اور آزادی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

خروٹ آباد اور کراچی کے واقعات حالات کی رو میں بہہ کر عدالت تک جا پہنچے ہیں۔قوم نے تو چیف جسٹس سے بڑی امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔اب دیکھیں کہ عدالت کیا فیصلہ کرتی ہے؟ سیاہ قانون کی اس تاریکی میں انصاف کی مشعل کبھی تو جلے گی؟ ماضی میں بھی ایسا بڑی دفعہ ہو چکا ہے کہ چند دن کسی معاملے کا بڑا زور رہتا ہے پھر اس کو سدا کے لیے کھڈے لائن لگا دیا جاتا ہے۔آج تک کبھی تاریخی فیصلہ سنا کر مثال قائم کرنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی۔پچھلے سال سیالکوٹ میں دو بھائیوں کو بربریت کا نشانہ بنایا گیا اور اسی طرح جھوٹا کیس بھی بنانے کی کوشش کی گئی۔پھر میڈیا پر فوٹیج آ گئی۔بڑا واویلا مچا.....پھر معاملہ منطقی انجام کو پہنچنے سے قبل ہی اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔اس طرح کے واقعات ہماری زندگی کا ایک لازمی جزو بن گئے ہیں۔اس ریت کو ختم کرنے کے لیے کسی کو تو پہلا قدم لینا ہو گا۔اب سب کی نظریں عدالت پر ہیں.....!!! مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی فرد کی غفلت، کوتاہی، یا فرض سے بددیانتی پورے ادارے کا جرم تصور کیا جائے۔یہ وہی افواج پاکستان ہیں جو ملک وقوم کی حفاظت میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔اگر لاکھوں کی فوج میں کوئی فرد واحد کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے ساری فوج کو ذمہ دار ٹھہرانا درست بات نہیں۔ترقی یافتہ ممالک میں بھی جہاں انسانی حقوق کا علم سب سے اونچا رکھا جاتا ہے وہاں بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔مگر عدالت ایسا فیصلہ کرتی ہے کہ اداروں پر عوام کا اعتماد بحال رہے۔آج اگر ہم نے ان معاملات کو سنجیدگی سے نہ لیا تو ملک دشمن عناصر اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔جن کا منصوبہ ہی یہ لگتا ہے کہ افواج پاکستان اور عوام کے درمیان بداعتمادی پیدا ہو جائے۔پھر لیبیا والے حالات بنا کر uno کی ایک قرارداد پاس کروا کر پاکستان کے ایٹمی اثاثوں تک رسائی حاصل کی جائے۔اس کے لیے ہم کو متحد ہو کر پہلے اندر کا دشمن ختم کرنا ہو گا۔

حقیقت میں افواج پاکستان ہی ہماری اصل طاقت ہیں اور ملک وقوم کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو لگتا ہے کسی "گہری سازش" میں دھکیل کر عوام الناس کی نظروں میں ان کا وقار ختم کیا جا رہا ہے۔حالیہ چند واقعات کو اگر سنجیدگی سے دیکھا جائے تو محسوس ہو گا کہ بڑی پلاننگ سے بری، بحری، فضائیہ اور سی آئی اے کو ٹارگٹ کر کے دنیا اور پاکستانی قوم کے آگے ان کا تشخص پامال کرنے کی کوشش کی

گئی ہے۔اداروں پرعوامی اعتماد بحال کرنے کے لیےضروری ہے کہ ملک میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو۔کیونکہ کفر کی حکومت تو چل سکتی ہے مگر ناانصافی کی نہیں۔انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر قانون کا محافظ بھی قانون شکنی کرے تو اس کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے چاہے اس کا تعلق کسی بھی ادارے سے ہو۔

sohailloun@gmail.com

(پہلی قسط) روزنامہ "دن" لاہور یکم جولائی 2011ء

(آخری قسط) روزنامہ "دن" لاہور 3 جولائی 2011ء

13-06-2011

سربٹن۔سرے